ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

تفسیر ''مفتاح القرآن'' کا ایک علمی مطالعہ

(۲)

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

قدیم و جدید مفسرین سے استفادہ

مفسر گرامی قدیم مفسرین میں امام رازی، طبری، ابن کثیر، زمخشری، ابوحیان اندلسی اور ابو مسلم اصفہانی سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں وہ کسی مسلکی و مشربی تعصب سے کام نہیں لیتے۔ زمخشری اور ابو مسلم اصفہانی، دونوں معتزلی ہیں، مگر دونوں کے ہاں فہم قرآن کا جو ذوق ہے، وہ بہت بلند ہے، اس لیے ان دونوں سے وہ کافی استفادہ کرتے ہیں۔ مگر متاخر مفسرین پر وہ زیادہ تر نقد ہی کرتے ہیں، خاص کر ''تفسیر مدارک'' اور ''تفسیر خازن'' کے مصنفین پر۔ اردو ترجموں کے بارے میں ان کی رائے اچھی نہ تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ و تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا تھانوی کو نہ معلوم کیوں تفسیر روح المعانی بہت پسند آگئی تھی۔ جو رطب و یابس اور فضولیات سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ مجموعی لحاظ سے مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن اردو تفسیروں میں پسندیدہ تر ہونے کے لائق ہے۔[۱۴]''

---

[۱۴] اردو مترجمین و مفسرین کے بارے میں علامہ میرٹھی نے یہ رائیں اپنے ایک غیر مطبوعہ مختصر سے مضمون ''اردو

اسی طرح مولانا عبد الماجد دریابادی کی خدمت قرآنی کو بھی سراہا ہے۔[15] علامہ حمید الدین فراہی سے بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل پر انھوں نے علمی نقد کیا اور سلف کی تفسیر کی تائید کی ہے۔ تاہم ان کے بارے میں بلند کلمات لکھے ہیں:

''مولانا حمید الدین فراہی صاحب فکر و بصیرت عالم تھے،... بہر حال قرآن کریم ان کے فکر و نظر کا موضوع تھا، موصوف نے یہی مبارک روح سرائے میر (اعظم گڑھ) کی مشہور عربی درس گاہ مدرسۃ الاصلاح میں پھونک دی تھی۔''[16]

اردو تفسیروں میں علامہ میرٹھی نے سرسید، چودھری غلام احمد پرویز کے علاوہ متعدد مواقع پر ''تفہیم القرآن'' پر بھی نقد کیا ہے، حالاں کہ وہ مولانا مودودی کے عصری فہم و بصیرت و عظمت کے قائل تھے، مگر علوم اسلامیہ، خاص کر تفسیر و حدیث کے میدان میں ان کے چنداں قائل نہ تھے۔[17]

آیات و سور کا باہمی ربط

مفسر گرامی نے سورہ و آیات کے باہمی ربط و تعلق پر بھی جا بجا روشنی ڈالی ہے، مثال کے طور پر سورۂ نور اور سورۂ مومنون کے باہمی ربط کو ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

''سورۂ مومنون کے شروع میں مذکور ہے کہ عفت و پارسائی سے متصف ہونا مومن کی شان ہے اور یہ وصف ان چھ اوصاف میں سے ہے جو فوز و فلاح کا سبب ہیں اور سورۂ نور میں عفت و پارسائی کی تاکید مذکور ہے اور اس کی حفاظت کی سلبی اور ایجابی تدبیریں ارشاد ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے سورۂ نور کا بیش تر حصہ سورۂ مومنون کی آیت ۶ 'وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ' کی شرح و تفسیر ہے۔''[18]

میں لکھی گئی تفاسیر قرآن'' میں ظاہر کی ہیں۔ یہ مضمون اپنی اصل صورت میں راقم کے پاس محفوظ ہے۔

۱۵۔ علامہ میرٹھی لکھتے ہیں: ''مولانا عبد الماجد دریابادی نے عربی نہ جاننے کے باوجود قرآن کریم کی خدمت احتیاط سے کی ہے۔ ترجمہ و تفسیر میں ان علماے کرام کی باتیں نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک علم و تقویٰ میں معتمد علیہ تھے۔''

۱۶۔ حوالۂ بالا۔

۱۷۔ حوالۂ بالا۔

۱۸۔ معاصر تفسیروں میں مصنف نے سب سے زیادہ نقد ''تفہیم القرآن'' پر ہی کیا ہے۔

ہر سورہ مرتب و منظم نازل ہوئی

نظم قرآنی کے سلسلہ میں صاحب ''مفتاح القرآن'' کی راے یہ ہے کہ ہر سورہ اسی ترتیب سے اتری ہے جس ترتیب سے وہ درج مصحف ہے۔ یہ تو ہوا ہے کہ کوئی سورہ پہلے نازل ہوئی ہو، اسے مصحف میں بعد میں درج کیا گیا ہو، مگر ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی سورہ کی آیات میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہو۔ نہ ہی ایسا ہوا ہے کہ کوئی آیت یا کوئی سورہ کئی بار نازل ہوئی ہو۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:

''حق و صحیح بات یہ کہ دیگر دوسری سورتوں کی طرح سورۂ آل عمران کی آیات بھی اسی ترتیب کے ساتھ نازل ہوئی تھیں جس ترتیب سے وہ درج مصحف ہیں۔ بے شک قرآن کریم کی سورتوں میں زمانی ترتیب نہیں ہے۔ چنانچہ چار ابتدائی سورتیں، سورۂ بقرہ، وآل عمران و سورۂ نساء و سورۂ مائدہ مدنیہ ہیں پھر سورۂ انعام و سورۂ اعراف دونوں مکیہ ہیں۔ لیکن یقین کرنا چاہیے کہ ہر سورہ شریفہ کی آیات میں زمانی ترتیب ہے۔ ان میں عدم ترتیب کا خیال کرنا، یعنی یہ سمجھنا کہ کسی سورۃ میں بعد میں نازل ہونے والی آیات پہلے اور پہلے نازل ہونے والی آیات بعد میں درج مصحف ہیں بالکل غلط ہے۔ کسی سورۃ کی آیات میں ترتیب زمانی نہ ہونے کا غلط و بیہودہ خیال دراصل اہل رفض کا تراشیدہ ہے۔ خاص مقصد، یعنی صحابۂ کرام کو مطعون کرنا ان کے پیش نظر تھا۔ غیر محتاط راویوں نے یا تقیہ اختیار کر کے رافضیوں نے ہی اہل سنت میں اس خیال کو قوت پہنچانے والی روایات پھیلائی ہیں۔''[19]

اس راے کا اظہار علامہ نے اور بھی متعدد جگہوں میں کیا ہے۔ سورۂ آل عمران کی شان نزول میں مولانا مودودی نے چار تقریریں قرار دی ہیں۔[20] اس پر نقد کرتے ہوئے علامہ میرٹھی لکھتے ہیں:

''سوال یہ ہے کہ یہ سورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کب تعلیم فرمائی تھی اور کاتبان وحی سے کب لکھوائی تھی؟ کیا تکمیل نزول کے بعد سنہ ۹ھ میں جب وہ تقریر نازل ہو چکی ہے جسے مودودی صاحب اس سورہ کی تقریر ۲ بتا رہے ہیں اور جس کا زمانۂ نزول ۹ھ قرار دے رہے ہیں؟ یا جیسے جیسے اس کی آیات نازل ہوتی رہیں آپ صحابہ کو تلقین فرماتے اور کاتبان وحی سے لکھواتے رہے؟ یقیناً پہلی صورت نہیں ہوئی نہ ہی کوئی شخص اس کا قائل ہے، دوسری ہی صورت تھی، یعنی جو آیات نازل ہوئیں فوراً ان کی تلقین بھی فرما دی گئی

۱۹؎ مفتاح القرآن ۲/۴، فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۲۴ء۔

۲۰؎ تفہیم القرآن ج ۱، دیباچہ تفسیر آل عمران۔

اور کاتبانِ وحی سے وہ لکھوادی گئیں۔ پس مولانا مودودی کے خیال مذکور کو مان لینے سے لازم آتا ہے کہ اہل ایمان سنہ ۴، ۵، ۶، ۷، اور سنہ ۸ تک پورے پانچ سال تک اس سورہ کو اس طرح پڑھتے رہے ہوں کہ چوتھے رکوع کی دو آیتوں کے بعد 'قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ' (آل عمران ۳: ۶۴) پڑھتے ہوں جو اس سورہ کا ساتواں رکوع ہے اور اسی طرح لکھنے والوں نے لکھا ہو، پھر جب سنہ ۹ میں یہ آیات جنھیں (مولانا) مودودی صاحب نے اس سورت کی دوسری تقریر بتایا ہے، اتری ہوں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتایا ہو کہ یہ سورہ جو تمھیں محفوظ ہے یا تمھارے پاس بصورت مکتوب موجود ہے تو اس میں فلاں آیت اور فلاں آیت کے درمیان یہ آیات اور یاد کر لو اور لکھ لو، یہ لازم آنے والی بات یقیناً غلط ہے۔ لامحالہ جس بات سے یہ غلط بات لازم آرہی ہے وہی غلط ہے۔'' (مفتاح القرآن ۱/ ۵۸۳)

حروف مقطعات

حروف مقطعات کے بارے میں مفسرین کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کے معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اور ان کو معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مگر بعض مفسرین نے، اس کے برخلاف ان کے معانی متعین کرنے کی کوشش بھی فرمائی ہے۔ اردو میں مولانا ثناء اللہ امر تسری نے اس کی کوشش کی ہے۔[۲۱] علامہ میرٹھی بھی اسی گروہ علما سے تعلق رکھتے ہیں، انھوں نے حروف مقطعات میں ہر ایک کے معنی و مفہوم کو متعین کیا ہے اور ان کو سورۂ بقرہ کے شروع میں جمع کر دیا ہے۔ اور یہ بحث ان کی تفسیر میں ۷ صفحات تک چلی گئی ہے اور پوری بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس بحث کے آغاز کے چند جملے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

''الٓمّٓ' ۔اِس سورۂ شریفہ کا عنوان ہے۔ اور یہ ہی اس کے بعد کی سورہ یعنی سورۂ آل عمران کا پھر سورۂ عنکبوت و سورۂ روم و سورۂ لقمان و سورۂ سجدہ کا بھی عنوان ہے۔ اس طرح اور بھی متعدد سورتوں کے عناوین ایسے ہی رکھے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں اِس انداز کی سورتیں انتیس ہیں، ان میں سے دو ــــــ سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران ــــــ مدنیہ ہیں اور بقیہ سب مکیہ ہیں۔ اِن عناوین کو اصطلاح میں حروف مقطعات کہتے ہیں، کیونکہ ان کا تلفظ حروف ہجاء کے طور پر پورا پورا اور الگ الگ کیا جاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قراءت اسی طرح ثابت و منقول ہے۔ مثلاً 'الٓمّٓ' کو الف لام میم پڑھا جاتا ہے۔ ان حروف مقطعات میں فی الواقع ان مضامین و مطالب کی طرف اشارات فرمائے گئے ہیں جن کا ان سورتوں میں ذکر ہے۔......

۲۱۔ مفتاح القرآن ۱/ ۵۸۱۔

۱۔ صٓ:اس سورۂ شریفہ کے آغاز میں ہی ذی اثر کافروں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: 'امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمۡ' (صٓ ۳۸: ۶) (اپنے قدیم مسلک و مذہب پر چلتے رہو اور اپنے معبودوں اور دیوتاؤں پر جمے رہو) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق میں جدوجہد کو دیکھ کر اُن لوگوں نے باہم یہ طے کیا تھا اور اپنے عوام کو یہ پیغام دیا تھا کہ اس دعوت توحید کو بالکل ناکام بنادو، صبر وثبات اور استقلال کے ساتھ اپنے دھرم پر قائم رہو۔ اس کے بعد ان کی اور چند بے ہودہ و گستاخانہ باتیں نقل کر کے اور انھیں زجر و توبیخ فرما کر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے: 'اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ' (صٓ ۳۸: ۱۷) یعنی آپ ان کی باتوں پر صبر فرمائیں اور اپنے کام میں لگے رہیں اور تسلی کے لیے گذشتہ انبیاے کرام علیہم السلام کی سیرت صبر و ثبات پیش نظر رکھیں۔ اس کے بعد ان حضرات کے صبر و ثبات اور اس کے مختلف مظاہر کو پیش کیا ہے۔ پھر چوتھے رکوع کے آخر میں حق پر صبر کرنے والوں اور باطل سے چمٹے رہنے والوں کے الگ الگ اور متضاد اخروی انجام کا ذکر کیا ہے۔ پھر پانچویں رکوع میں باطل پر صبر کرنے والوں کے سب سے بڑے لیڈر اور پیشوا، یعنی ابلیس اور اس کے انجام بد کا ذکر ہوا ہے۔ پس اس سورۂ شریفہ کا مرکزی و بنیادی مضمون صبر ہے اور اس میں نہایت بلیغ و دلنشین انداز سے صبر علی الحق اختیار کرنے اور صبر علی الباطل کو چھوڑ دینے کی ترغیب و تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور حرف صاد کو اس کا عنوان و علم قرار دے کر اس کے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے''۔ الخ[۲۲]

حروف مقطعات کی بحث کے اخیر میں انھوں نے لکھا ہے:

''پھر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حروف مقطعات کو سورتوں کے عنوان وعَلم کے طور پر استعمال کرنا قرآن کریم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اور اس کے معجزانہ تفردات میں سے ایک تفرد ہے۔ کلام عرب میں حروف مقطعات کو اس طرح استعمال کرنے کی کوئی نظیر ثابت نہیں... واقعہ یہ ہے کہ یہ اسلوب نہ تو نزول قرآن سے پہلے معروف تھا نہ نزول قرآن کے وقت رائج تھا، اس لیے اس کا متروک

۲۲۔ مولانا امر تسری لکھتے ہیں:

''ان حروف کے معنی بتلانے میں بہت ہی اختلاف ہوا... میرے نزدیک زیادہ صحیح معنی وہ ہیں جو ابن عباس سے مروی ہیں کہ ہر حرف اللہ کے نام اور صفت کا مظہر ہے۔ اس لیے میں نے، یہ ترجمہ جسے آپ دیکھ رہے ہیں، کیا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ مثال کے طور پر بعض حروف مقطعات کا ترجمہ یوں کیا ہے 'الٓمٓ': میں ہوں اللہ سب سے بڑا علم والا، 'الٓرٰ': میں ہوں اللہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا۔'' (تفسیر ثنائی ۳، ۴۶)

ہو جانا بے معنی بات ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے وقت صحیح و فصیح عربی میں ادائے مطالب کے جو اسالیب رائج و معروف تھے وہ تمام کے تمام بلا استثنا قرآن کریم کی بدولت صحیح و فصیح عربی زبان میں اب بھی معروف و رائج ہیں اور جب تک روے زمین پر قرآن باقی ہے معروف و رائج رہیں گے۔'' (مفتاح القرآن ۱/ ۳۸)

لغوی دقائق

مفسر رحمہ اللہ عربی زبان و ادب، لغت و اشتقاق، نحو و صرف اور بلاغت میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ لغوی دقائق اور نکتہ سنجیوں تک بہ آسانی پہنچ جاتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ان علوم پر بھی مجتہدانہ نظر رکھتے ہیں۔ لہٰذا آیات کی تفسیر کے بعد تنبیہ کے عنوان سے جہاں بھی کوئی فنی، ادبی، لغوی یا حدیثی تحقیق پیش کرتے ہیں، ان میں وہ اکثر جگہوں میں نہایت اطمینان بخش راے دیتے ہیں۔ عقلی و وجدانی طور پر قاری ان کی بات سے مطمئن اور سابق مفسرین کی راے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے۔ مفسر گرامی قرآن پر مسلسل غور و فکر اور تدبر کرتے تھے، لہٰذا اس تدبر اور غور فکر سے ان پر نت نئے معانی اور تحقیقات کا انکشاف ہوتا رہتا تھا، گویا وہ کیفیت تھی کہ:

ترے ضمیر پہ نہ ہو جب تک نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مثال کے طور پر آیت کریمہ 'حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ' (ہود ۱۱: ۴۰) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''یہاں تک کہ جب آ جائے گا ہمارا حکم اور ابل پڑے گا تنور تو ہم فرمائیں گے کہ سوار کر لے اس میں ہر ایک نوع سے نر و مادہ کو یعنی دو فرد کو اور اپنے گھر والوں کو اُس کے سوا جس کی تباہی کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور اس گروہ کو جو ایمان لے آیا ہے۔ اور اس قوم میں تھوڑے ہی لوگ ایمان لا کر اس کے ساتھ ہوئے تھے۔''

آگے تنبیہات کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''اس ترجمہ و تفسیر سے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ آیت 'وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا' (ہود ۱۱: ۳۷) سے مرتبط ہے۔ اس آیت کا ترجمہ کرنے میں دیگر مفسرین و مترجمین سے چوک ہو گئی ہے، انھوں نے 'حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ' (ہود ۱۱: ۴۰) کا ترجمہ یہ

کیا ہے: یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور نے جوش مارا تو ہم نے کہا‘‘ حالاں کہ لفظ 'اذا' اس ترجمہ کی صحت سے مانع ہے۔ اگر 'اذا' کی بجاے 'لما' یا 'اذ' ہوتا تو یہ ترجمہ درست ہوتا کیونکہ 'اذا' کلمۂ استقبال ہے ماضی کو بھی مضارع کے معنی میں کر دیتا ہے، ان مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت سورۃ المومنین کی اِس آیت کو بھی پیش نظر رکھا ہوتا تو غلطی سے بچ جاتے: 'فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ' (المومنون: ۲۷)۔‘‘ (مفتاح القرآن ۳/ ۱۱۵)

لوح محفوظ کی تحقیق

قرآن میں متعدد جگہ کتاب مبین یا روز نامچۂ خداوندی کا تذکرہ آیا ہے، جو تمام حوادث و واقعات عالم کو محیط ہے اور جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مفسر گرامی نے اس کتاب مبین کی متعدد آیات کے تتبع سے تین قسمیں کی ہیں۔ (الف) منصوبۂ کائنات جو تخلیق کائنات سے بہت پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن کے علاوہ صحیح مسلم کی ایک حدیث بھی ناطق ہے۔ (ب) عالم میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات کا تفصیلی رجسٹر جیسا کہ متعدد آیات کریمہ بتاتی ہیں۔ (ج) ہر شخص کا نامۂ اعمال، متعدد آیات میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن نیک بندوں کو یہی نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا اور کفار فجار کو بائیں ہاتھ میں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

’’پس قرآن مجید سے اندراجات کی یہ تینوں قسم کی کتابیں ثابت ہیں، لیکن تعجب ہے کہ جمہور مفسرین کو ان میں تمیز کی توفیق نہیں ملی۔ انھوں نے قسم اول وثانی پر دلالت کرنے والی آیات میں ہر جگہ کتاب کو ’’لوح محفوظ‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ اور لوح محفوظ کے متعلق یہ تصور دیا ہے کہ وہ ایک کتاب عظیم ہے جس میں دنیا بھر کی ہر چیز بے کم و کاست عالم کی آفرینش سے پہلے ہی درج کر دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ تمام بندوں کے اچھے برے اعمال و افعال اور انھیں پیش آنے والے تمام احوال سب اس میں ثبت ہیں۔ جتنے صحیفے انبیاء کرام پر نازل ہوئے قرآن کریم سمیت سب اس میں پہلے سے ہی لکھ دیے گئے تھے۔ یہ لوح زمرد کی ہے، اس کا طول ۵۰۰ سال کی مسافت کا ہے اور عرض ۱۰۰ سال کی مسافت کا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مزعومہ لوح محفوظ کا ذکر نہ تو قرآن کریم میں کہیں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں...۔‘‘ (مفتاح القرآن ۲/ ۳۸۲)

تفسیر القرآن بالقرآن

ڈاکٹر سید شاہد علی کی تحقیق کے مطابق: ’’آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں آپ تفسیر القرآن بالقرآن کے طرز کی مکمل پیروی کرتے ہیں۔ آپ کی زیادہ تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ آپ ایک آیت کی دوسری آیات کی مدد سے تفسیر کریں، مزید یہ کہ دوسری آیات کے بیان پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ان کی بھی تشریح وتوضیح کر دیتے ہیں۔ جس سے موضوع کا پورا احاطہ ہو جاتا ہے اور سلف صالحین کے مسلک کی مکمل پیروی بھی ہوتی ہے۔ ’وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ‘ (اور جو دنیا کے فائدے کو مقصود بنائے تو ہم اسے دنیا سے دے دیتے ہیں اور جو آخرت کے فائدہ کو مقصود بنائے تو ہم آخرت سے عطا فرماتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو ہم جزا عطا فرمائیں گے)۔‘‘[۲۳]

[باقی]

۲۳؎ ڈاکٹر سید شاہد علی، اردو تفسیروں کا مطالعہ بیسویں صدی میں ۱۱۰۔